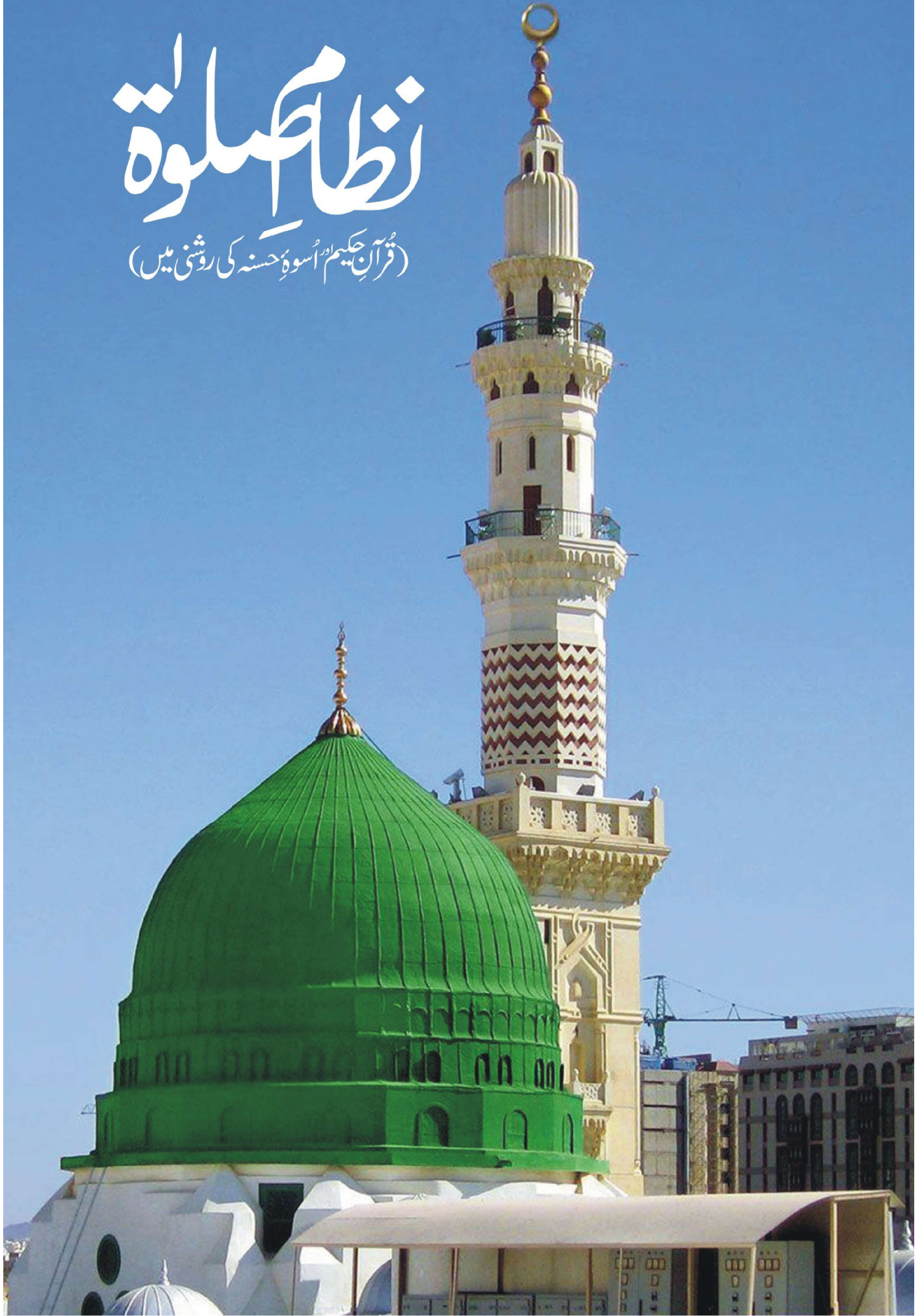

نظامِ صلوٰۃ
(قُرآنِ حکیم اور اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم O

نَحْمَدَہٗ و نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیمO

☆ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَاءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکوٰۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ O (اَلْبَیِّنۃ98:5)۔

اصل یہ ہے کہ انہیں قطعی حُکم دیا گیا تھا کہ فقط اللہ تعالیٰ کے وفادار بن کر اُس کے دین (یعنی نظامِ حیات = System of life) کے مطابق زندگی کریں۔ سب فرقوں اور اعتقادات کو چھوڑ کر فقط اللہ تعالیٰ کے بن جائیں اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نظام قائم کریں، کیونکہ یہی ہمیشہ قائم رہنے والا دین یعنی نظام ہے۔

نظامِ صلوٰۃ (قُرآنِ حکیم اور اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

صلوٰۃ و زکوٰۃ کے نظام قائم کرنے کا حُکمِ ربیّ

☆ اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰھُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَھَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ O (الحج 41:22)۔

(سچے مُسلمانوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ) جونہی ہم اُن کو کسی سرزمین میں حکومت و اِقتدار دیتے ہیں تو وہ (بِلا تاخیر) صلوٰۃ، زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نِظام قائم کرتے ہیں۔ یاد رکھو! کُل اُمور کا انجام اللہ ہی کے پاس ہے (یعنی اس کا انجام یقیناً بہترین ہوگا)۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

صلوٰۃ وزکوٰۃ
کے نظام قائم کرنے کا فائدہ

إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلاَةَ وَآتَوُا الزَّكوٰةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ O

(البقرہ 2: 277)۔

جو لوگ ایمان لائے اور عدل واحسان اور اصلاح وفلاح کے کام کرتے رہے، نیز اُنہوں نے صلوٰۃ وزکوٰۃ کے نظام قائم کیے تو اُن کا اجر اُن کے ربّ کے پاس ہے (یعنی اللہ تعالےٰ اپنی شان کے مُطابق صلہ دے گا، جو بے حدّ وحساب ہوگا)؛ اور اُن کو کوئی خوف رہے گا نہ غم (دنیا اور آخرت دونوں میں)۔

حرفِ اوّل

کائنات اور اس میں جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے، اور اللہ تعالےٰ کی ہر تخلیق حسین ہوتی ہے۔ احسن الخالقین کا اِرشاد

ہے:

☆ اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ O (السجدہ 32: 7)۔

وہی تو ہے جس نے جو شے بھی تخلیق کی، اُسے حسین بنایا۔

اور اِس جمالیاتی۔تخلیقی فعلیت کا شاہکار اِنسان ہے، یعنی وہ داخلی و خارجی ہر لحاظ سے حسین ترین ہے۔ فاطرِ ہستی کا کسی شے پر اُس کے فطری وظیفہ ءِ حیات کو سرانجام دینے کے لیے علم و عمل کی راہیں کھول دینا اِصطلاحِ قُرآنی میں ہدایت سے عبارت ہے اور یہ ہدایت ہر شے کو تخلیق کے وقت ہی ودیعت کر دی جاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالےٰ ہے:

☆ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰیO

(طٰهٰ 20: 50)۔

(موسیٰ علیہ السلام نے) جواب دیا:

ہمارا ربّ وہ ہے، جس نے ہر شے کو (داخلی و خارجی اعتبار سے) اُس کی خِلقت عطا کی، پھر اُسے ہدایت دی یعنی زندگی کا طریقہ ودیعت کر دیا۔

معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر شے کو تخلیق کے وقت ہی زندگی کرنے کی ہدایت ودیعت کر دی جاتی ہے اور وہ اُسی کے مطابق زندگی کرنے پر مجبور ہے، لیکن انسان کو فکر و عمل اور اِرادہ و اختیار کی آزادی دے کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ یہ آزادی انسان کو اُس کی اپنی رضا و رغبت کی بِنا پر اور امانت کے طور پر ودیعت کی گئی، لہٰذا وہ اپنے اعمال کے اچھے یا بُرے نتائج کا مکلّف ہے۔ اسی امتحان کے نتیجے میں وہ موت سے مُبرّا اپنی اصل زندگی جنّتِ قُرّۃُ العین میں کرے گا یا آتشِ کدۂ جہنّم میں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نُوری ہے نہ ناری ہے (علامہ اقبالؒ)

فاطرِ ہستی نے اِنسان کی فِطرت کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ باہم میل جول کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتا اور نہ ہی اکیلا تمام ضروریاتِ زندگی کا اہتمام یا بندوبست کر سکتا ہے۔ اس لیے وہ طبعی طور پر متمدّن ہے۔ مِل جُل کر رہنے اور مہذب زندگی گزارنے کے لیے ناگُزیر ہے کہ کچھ طور طریقے اور کچھ اصول اور ضابطے طے کیے جائیں جن پر عمل پیرا ہو کر سب لوگ سفرِ حیاتِ دنیا امن و سکون کے ساتھ طے کر سکیں۔ اس اہم ترین مسئلے سے نبٹنے کے لیے خالقِ کائنات نے اِنسانی شعور کے

بیدار ہوتے ہی وحی وتنزیل کا سلسلہ شروع کیا جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ اور قرآن حکیم پر مکمل ہوا۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ ربِّ کریم جو اپنے تخلیقاتی شاہکار سے شدید محبت کرتا ہے (البروج 14:85)، اور چاہتا ہے کہ آزادیٔ فکر و عمل کا حامل یہ شاہکار اُس کی ہدایات وتعلیمات پر عمل کر کے اُس کا قُرب ورضوان حاصل کرے، اپنی ذات کی تکمیل کرے، اپنے آپ کو جنت کے لیے پیراستہ کرے اور صراطِ مستقیم پر سفر کرتا ہوا اُس کے حسن المآب (یعنی قیام کے لیے حسین ترین مُستقر) میں پہنچ کر موت سے مُبرّا اپنی کُل زندگی وہاں کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اُس نے کمال شفقت و مہربانی سے انسان کو زندگی کرنے کا بہترین منہاج بتایا، اپنے آخری پیغمبر ﷺ پر اس کی تکمیل کی اور اُس پر مکمل عمل کرنا سکھایا، اُس کو دینِ اِسلام (یعنی زندگی کرنے کا اسلامی طریقہ) سے موسوم کیا اور فرمایا:

☆اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا O (المائدہ 3:5)۔

(ایمان والو!) آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے۔ (یعنی نظامِ اِسلام کے کُل قوانین و احکام اور ہدایات و تعلیمات سے تمہیں بہرہ مند کر دیا ہے) اور تُم پر اپنی نعمتوں کی اِنتہا کر دی ہے، نیز، تمہارے لیے پسند کر لیا ہے نظامِ اِسلام کو۔ (لہٰذا اب دوسرے نظام قبول نہ ہوں گے)۔

دین کا مطلب ہے: نظامِ زندگی (System or way of life)۔ دینِ اِسلام کے علاوہ دنیا میں اور بھی بہت سے دین یعنی نظام ہیں، جن میں قابلِ ذِکر سرمایہ داری نِظام (Capitalism)، اِشتراکیّت (Communism) اور معاشرتی اِجتماعیت (Socialism) ہیں، لیکن یہ سب آدمی کے بنائے ہوئے (madeMan) نظام ہیں۔ یہ ایک مُسلّمہ حقیقت ہے کہ انسان کی بنائی ہوئی کسی بھی شے کو نہ صرف یہ کہ ثباتِ دوام حاصل نہیں بلکہ وہ ہر زمان و مکان اور ہر قسم کے احوال وظروف میں افادیّت کی حامل نہیں اور نہ ہوسکتی ہے۔ یہ صِفت فقط حق تعالےٰ کی بنائی ہوئی اشیاء کو حاصل ہے، اور دینِ اسلام دینِ حق ہے (الفتح 28:48)۔ اس کی افادیت کی مکمل آگاہی کے لیے دیکھیے اسی کتاب کا صفحہ نمبر 29۔

یہ حقیقت ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ دینِ اسلام ایسی ہستی کا بنایا ہوا نظام ہے جو اپنی ذات میں ربُّ العٰلمین ہے، لہٰذا یہ دین اُس کا فیضانِ ربوبیّت ہوا۔ یہی وجہ کہ اس پر عمل پیرا قوم کے ہر فرد کی ربوبیّت ہوتی ہے۔ رحمت العٰلمینی کی بنیادوں پر قائم یہ وہ نظام ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے قومی سرمایہ خون کی طرح گردش کرتا ہوا جسم کے نازک ترین حصّے میں بھی پہنچتا ہے اور گلشنِ ہستی کو اس طرح سیراب کرتا ہے کہ معاشرے کا ایک بھی فرد زندگی کے لیے ناگزیر بنیادی ضروریات مثلاً خوراک، کپڑا، مکان، پانی، بجلی، گیس، تعلیم وتربیت، علاج معالجہ اور سفری سہولیات، امن وسلامتی، وغیرہ وغیرہ کے بغیر نہیں رہتا۔ یاد رہے کہ ان اشیاء کی غیر موجودگی میں ایک انسان انسانوں کی طرح زندگی بسر نہیں کرسکتا اور نہ ہی وہ قرآنِ حکیم کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات پر پوری طرح عمل پیرا ہو کر انسانیت کے اُس شرف پر فائز ہوسکتا ہے جو ربِّ رحمٰن کا مقصودِ حقیقی ہے۔ اس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ کیوں ربِّ رحمٰن نے مسلمانوں کو اِقتدار حاصل ہوتے ہی اس محکم و

پائیدار دین کے نفاذ کا حکم دیا ہے۔ اِرشاد ہوتا ہے۔

☆ اَلَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِى الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ O (الحج 41:22)۔

(سچے ایمان والوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ) جونہی ہم اُن کو کسی سرزمین میں حکومت و اِقتدار دیتے ہیں تو وہ (بلا تاخیر) صلوٰۃ، زکوٰۃ، امر بِالمعروف اور نہی عن المنکر کے نظام قائم کرتے ہیں۔ یاد رکھو! کل امور کا انجام اللہ ہی کے پاس ہے (یعنی اس کا انجام یقیناً بہترین ہوگا)۔

یہ چاروں ادارے اپنی اپنی منفرد اور مستقل حیثیت رکھنے کے باوجود آپس میں رابطہ رکھتے، بطور ایک اکائی کے کام کرتے، نظامِ اسلام کے اجزائے لاینفک یا اٹوٹ انگ ہیں۔ یہ چار بنیادیں ہیں جن پر اسلامی معاشرے کی عمارت استوار ہوتی ہے۔

اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کا مطلب ان چار اداروں کو قائم کرنا اور ان کی بنیادوں پر اسلامی معاشرے کی تعمیر و تشکیل کرنا، اس میں احکامِ اِلٰہیہ نافذ کرنا، اُن کے مطابق اِنفرادی و اجتماعی زندگی کرنا اور دیگر افرادِ معاشرہ کو ایسی زندگی گزارنے کا حکم دینا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً O (البقرہ 208:2)۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو (حلقۂ) اِسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

ان چاروں اِداروں کے قیام سے ایک ایسا معاشرہ معرضِ وجود میں آتا ہے جس میں رہائش پذیر لوگوں کے اقتصادی اور معاشرتی مسائل خود بخود حل ہوتے ہیں تا کہ آدمی خلوصِ دل کے ساتھ قُرآنِ حکیم کے احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امتحان گاہِ دنیا میں کامیابی حاصل کرے اور اپنے آپ کو جنتِ قرۃ العین کے لیے پیراستہ (Qualify) کر سکے، جو حیاتِ انسانی کی غایتُ الغایات ہے۔

اس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ مذکورہ بالا اسلامی معاشرے کا قیام حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی پیش شرط (Pre-requisite) ہے، جس کے لیے تن من دھن کے ساتھ جدّ وجُہد کرنا ہر مسلمان کا فرضِ اولین ہے۔

☆ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ

حَرَجٍ O (الحج 78:22)۔

(مسلمانو!) اللہ کے راہ میں ایسی جدّ وجُہد کرو جیسا کہ جِدّ وجُہد کرنے کا حق ہے، یعنی نظامِ اسلام کے قیام کے لیے تن من دھن کے ساتھ حتی المقدور مساعیٔ جمیلہ کرنا تُم پر لازم ہے۔ (اس لیے کہ) اس کام کے لیے اُس نے تمہیں منتخب کرلیا ہے۔ یادرکھو! یہ دین تمہارے لیے بارِگراں نہیں ہے۔

فلسفۂ صلوٰۃ آئینۂ قُرآن میں

''صلوٰۃ'' ایک ازبس اہم اِصطلاحِ قُرآنی ہے جس کو سمجھنے کے لیے ناگُزیر ہے کہ اِس کے وہی معنیٰ ومفہوم لیے جائیں جو قُرآنِ حکیم نے خود بیان کیے ہیں۔ اس پر بحث کرنے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ پہلے یہ معلوم کرلیا جائے کہ اِصطلاح ہوتی کیا ہے۔

جب کسی حکیم یا فلسفی کے افکار لفظوں کی تنگنائے میں نہیں سماتے تو وہ ایک لفظ کو اپنے افکار کی معنویت سے مُزیّن کردیتا ہے۔ یہ افزودہ لفظ اُس دانشور کی اِصطلاح (Term / Phrase) کہلاتا ہے۔ اِس اِصطلاحی لفظ کے متعیّن کردہ معانی وہ اپنی تحریروں میں خود ہی بیان کردیتا ہے تاکہ قاری کسی ذہنی اِلتباس یا شبہے میں مُبتلا نہ ہو۔ مثال کے طور پر، علامہ اقبالؒ کی اِصطلاح ''خودی''، جس کی صراحت اُنہوں نے اس طرح فرمائی:

نُقطہ ٔنُورے کہ نامِ اُوخودی است (اسرار ورموز)۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ عقل انسان کو اللہ کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے جس کو لے کر وہ اس دُنیا میں آتا ہے اور عِلم وہ خود حاصل کرتا ہے۔ جب عقل اور علم کا اِتّصال ہوتا ہے تو آدمی کے اندر شعور پیدا ہوتا ہے۔ پھر جب آدمی شعوری طور پر غور و فِکر کرتا ہے تو اُس کے قلب (یعنی دل ودماغ) میں نُور کی تولید (Generation) ہوتی ہے۔ اِسے نُورِ بصیرت بھی کہتے ہیں۔ اس نُور سے آدمی کی ذات کی تکمیل ہوتی ہے، اُس کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کا قُرب ورضوان حاصل ہوتا ہے، جو حیاتِ انسانی کی غایتُ الغایات ہے۔ یہی وہ نُور ہے جو دارالآخرت میں روزِ حساب وجزا کامیاب رہنے والوں

کے آگے اور دائیں چل کر کے جنّت کے راستے کی نشاندہی کرے گا (التحریم 8:66)۔اس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ کیوں ربِّ رحمٰن نے اپنے بندوں کو یہ دُعا مانگنے اور مانگتے رہنے کی ہدایت کی ہے:

☆ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا ○ (التحریم 8:66)۔

اے ہمارے ربّ! ہمارے نور کی تکمیل کرتا رہ۔

ان معانی کے پیشِ نظر علامہ اقبالؒ کا ایک خوشہ چیں علامہ صاحب کے اس شعر:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے (بالِ جبریل)

میں غور کرتا ہے تو فوراً علامہ صاحب کے پیغام کی تہ تک پہنچ جاتا ہے اور جان لیتا ہے کہ اگر خودی کو بلند کرنا مقصود ہے تو مزید علم حاصل کرنا پڑے گا۔ چونکہ علم ایک بے کراں حقیقت ہے، لہٰذا نُورِ ذات کی تکمیل کا تسلسل بھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔

اِصطلاح کے اِن معانی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اب ہم قُرآن حکیم سے معلوم کرتے ہیں کہ ربِّ رحمٰن نے اپنی اِنتہائی اہم اِصطلاح ''صلوٰۃ'' کو کِن معانی میں استعمال کیا ہے:

اِصطلاحِ صلوٰۃ کو قُرآنِ حکیم نے لُغوی اور اِصطلاحی دونوں مفاہیم میں استعمال کیا ہے، جن سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی جاتی ہے:

(الف) لُغوی معانی: عربی لغات کی رُو سے اس کے دو معانی ہیں اور قُرآنِ حکیم نے اس کو دونوں معانی میں استعمال کیا ہے:

1۔ کسی کو دُعا دینا۔

☆ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ○ (التوبہ 103:9)۔

اور اُن کو دعائیں دو، اس لیے کہ آپ ﷺ کی دُعا اُن کے لیے مُوجبِ تسکین ہوتی ہے۔

2۔ نظامِ زندگی اور اُس پر عمل کرنے کا طریقہ:

☆ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ ط كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَ تَسْبِيحَهُ O

(النور24:41)۔

کیا تو نے غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں (یعنی اُس کی ودیعت کردہ زندگی کرنے کی ہدایت پر مکمل طور پر عمل کرتے ہیں) وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں؛ نیز پر پھیلائے ہوئے پرند بھی۔ تمام کے تمام اپنے نظامِ زندگی اور اُس پر عمل کرنے کے طریقوں سے واقف ہیں۔

(ب) اِصطلاحی معنی: صلوٰۃ کے اِصطلاحی معنی پنجگانہ صلوٰۃ ہے جو مسجدوں میں باجماعت ادا کی جاتی ہے:

☆ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰباً مَّوْقُوْتًا O

(النساء4:103)۔

بے شک مقررہ اوقات پر صلوٰۃ قائم کرنا ایمان والوں پر فرض کر دیا گیا۔

☆ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ق وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ O (البقرہ 2:238)۔

(مسلمانو!) تمام صَلوات کی حفاظت کرو (یعنی اُن کے قیام کو یقینی بنالو اور اُن کے تقاضوں کو پورا کرتے رہو)، خصوصاً درمیان والی نماز، اور صبر و استقامت کے ساتھ اللہ تعالٰی کے احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات پر عمل کرو۔

صدیوں پہلے کسی نے صلوٰۃ کا ترجمہ نماز کر دیا۔ المیہ یہ ہوا کہ ہم نے اس پر تکیہ کر لیا، **نتیجۃً**، قرآنِ حکیم کی اہم ترین عبادت کے وسیع تر مفہوم کو محدود تر کر لیا۔ مساجد فقط سجدہ گاہیں بن کر رہ گئیں اور ہم دین کی مقصدیّت و افادیّت سے کوسوں دُور ہٹ گئے۔ امام راغب اصفہانی (تاریخِ وفات ۵۰۲ ھجری) اپنی شہرہ آفاق لغات ''المفرداتُ القرآن'' میں صلوٰۃ کے معنی بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''قرآن میں جہاں کہیں بھی صلوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے وہاں اُسے لفظ اقامت کے ساتھ ذِکر کیا گیا ہے، مثلاً: وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلَاةَ (النساء4:162) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (البقرہ2:110)۔ صلوٰۃ کے ساتھ لفظ **اِقَامَةُ** ذکر کرنے سے غرض یہ ہے کہ صلوٰۃ کو محض ہیئتِ مخصوصہ کے ساتھ ادا کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے حقوق و فرائض اور تقاضوں کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ اس بنا پر ایک حدیث میں ہے، اَنَّ الْمُصَلِّيْنَ كَثِيْرَ وَ اَنَّ الْمُقِيْمِيْنَ

لَهَا قَلِيلٌ (حدیثِ نبوی)۔ صلوٰۃ ادا کرنے والے تو بہت ہیں مگر ان کو حقوق وفرائض اور تقاضوں کے ساتھ قائم کرنے والے بہت کم ہیں۔''

معلوم ہوا کہ صلوٰۃ کے اصطلاحی معانی میں ربِّ رحمٰن نے صلوٰۃ کے حقوق وفرائض اور تقاضوں کو بھی شامل کیا ہے۔ مثال کے طور پر:

☆ قَالُوا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ O (ھود 11:87)۔

(حضرت شعیبؑ کی قوم کے لوگوں نے کہا): اے شعیب! کیا تمہاری صلوٰۃ تمہیں حکم کرتی ہے کہ ہم انہیں ترک کر دیں جن کی پرستش وبندگی ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے، علاوہ ازیں، ہم اپنے مال ومنال (Wealth and proprty) میں اپنی مرضی سے تصرف نہ کریں؟

صلوٰۃ کے حقوق وفرائض:

(اوّل) صلوٰۃ فقط اللہ کے لیے:

☆ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O (الانعام 6: 162)۔

اے میرے حبیبؐ! اعلان کر دیجیے کہ میری صلوٰۃ (یعنی میرے کُل وظائف وفرائضِ زندگی اور ان کو ادا کرنے میں میری توانائیاں)، اور مال ومنال کی قُربانیاں، نیز میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے (یعنی اُس کے بندوں کی رُشد وہدایت، تعلیم وتربیت اور دنیوی واُخروی حسنہ کے لیے ہے)، جو اِنسانوں سمیت کُل جہانوں کی مخلوقات کا پالنے والا اور مالک ہے۔

[(نوٹ) یہ رسالت مآب ﷺ کے **رحمۃٌ لِّلعٰلَمِین** ہونے کا مفہوم ہے اور آپؐ کی سُنَّتِ حسنہ ہے]۔

(دوم) صلوٰۃِ پنجگانہ کی حفاظت کرنا، اُن کے قیام کو یقینی بنالینا اور اُن کے تقاضے پورے کرنا:

☆ حٰفِظُوا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ق وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ O (البقرہ 2:238)۔

(مسلمانو!) تمام صلوٰت کی حفاظت کرو (یعنی اُن کے قیام کو یقینی بنالو اور اُن کے تقاضوں کو پورا کرتے رہو) خصوصاً درمیان والی نماز؛ اور صبر و اِستقامت کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات پر عمل کرو۔

ربِّ رحمٰن ورحیم نے اپنی کتابِ ہدایت میں صلوٰات کی حفاظت کرنے والوں کے اسلوُب وروش کی بھی نشاندہی کردی ہے، اِرشاد ہوتا ہے:

☆ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ O

(الانعام 6:92)۔

جولوگ آخرت (یعنی قیامت، نشأۃِ ثانیہ، محاسبہ اور جزا وسزا) کو تسلیم بالیقین کرتے ہیں، وہی اس قُرآن (کے مافیہ: Contents) کو تسلیم بالیقین کرتے ہیں اور وہی صلوٰۃ (کے حقوق وفرائض اور تقاضوں) کی حفاظت کرنے والوں میں سے ہیں۔

(نوٹ: ایمان بغیر عمل کے مُردہ ہوتا ہے۔)

(سوم) صلوٰۃ پابندیِ اوقات کے ساتھ فرض ہے۔ نیز، ادائیگیِ صلوٰۃ اور قُرآن کی ہدایات وتعلیمات پر غور وفکر لازم ملزوم ہیں:

☆ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ج فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ج اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا O

(النّسآء 4: 103)۔

اور جب تُم صلوٰۃ ادا کر چکو تو کھڑے، بیٹھے یا پہلوؤں کے بل (لیٹے) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو (یعنی اُس کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات پر غور وفکر کرنے کو اپنا شعار بنالو، اس سے تمہارا خوف وحُزن جاتا رہے گا) پھر جب تمہیں اِطمینان ہوجائے تو صلوٰۃ معمول کے مطابق قائم کرو۔ یقیناً مقررہ اوقات پر صلوٰۃ قائم کرنا مومنوں پر فرض کر دیا گیا ہے۔

(چہارم) صلوٰۃ کی ادائیگی کے لیے پاک صاف ہونا:

☆ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ط وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا

ط O (المائدہ6:5)۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تُم صلوٰۃ کے لیے اُٹھو تو اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ پاؤں ٹخنوں تک (دھولیا کرو)۔ اور اگر تُم حالتِ جنابت میں ہو تو غُسل کرلیا کرو۔

(پنجم) صلوٰۃ میں خشوع یعنی عاجزی اختیار کرنا، گڑگڑانا اور رونا۔

☆ قَدۡ أَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ O لا الَّـذِيۡـنَ هُـمۡ فِيۡ صَلوٰتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ O لا (المؤمنون23:
2-1)۔

یقیناً فلاح پاگئے (یعنی امتحانِ دنیا میں کامیاب ہو گئے) وہ مومنِ (یعنی ایمان والے) جو اپنی صلوٰۃ میں خضوع و خشوع اختیار کرتے ہیں۔

(نوٹ: اللہ تعالےٰ کے قانونِ مُکافاتِ عمل (یعنی جیسا کروگے، ویسا بھروگے) پر یقینِ کامل ہو تو آدمی عاجزی اختیار کرتا اور لوگوں سے حُسنِ سلوک کرتا ہے تا کہ دنیا اور آخرت میں فلاح پائے)۔

صلوٰۃ کے تقاضے:

صلوٰۃ کے بارے میں قُرآنِ حکیم کی آیات پر تفکّر بِالحق سے آشکار ہوتا ہے کہ صلوٰۃِ پنجگانہ کے قیام سے مومنوں کی ڈیوٹی یا کارِفرض مکمل نہیں ہوتا بلکہ شروع ہوتا ہے۔ اِن فرائض کو ہادیءِ اعظم ﷺ نے صلوٰۃ کے تقاضوں سے موسوم کیا ہے۔ اب ہم ہدایت کی زندہ کتاب یعنی قُرآنِ حکیم سے معلوم کرتے ہیں کہ صلوٰۃ کے تقاضے کیا ہیں؟ احکم الحاکمین کا ارشاد ہے:

(اوّل) وَيٰقَـوۡمِ أَوۡفُـوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ أَشۡيَآءَ هُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِي الۡأَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ O بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لَّكُمۡ إِنۡ كُنۡتُم مُّؤۡمِنِيۡنَ ج وَمَآ أَنَاۡ عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ O قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ أَصَلوٰتُكَ تَأۡمُرُكَ أَنۡ نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ آبَاؤُنَآ أَوۡ أَنۡ نَّفۡعَلَ فِيۡٓ أَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ط إِنَّكَ لَأَنۡتَ الۡحَلِيۡمُ الرَّشِيۡدُ O (ھود11:85-87)۔

(حضرت شعیبؑ نے کہا!) اے برادرانِ قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دیا کرو؛ اور ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو (ورنہ تباہ حال ہو جاؤ گے)۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو تو سنو! اللہ تعالےٰ کی

عطا کی ہوئی بچت تمہارے لیے بہتر اور زیادہ سُود مند ہے؛ اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں (جیسا کرو گے ویسا بھرو گے)۔ انہوں نے جواب میں کہا: اے شعیبؑ! کیا تمہاری صلوٰۃ تم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم انہیں ترک کر دیں جن کی پرستش و بندگی ہمارے باپ دادا (یعنی ہمارے اکابرین) کرتے چلے آرہے ہیں، یا ہم اپنے مال و منال میں اپنی مرضی سے تصرّف نہ کریں؛ کیا ایک تُم ہی دانا و راستباز رہ گئے ہو؟

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ پر غور کرنے سے استنباط ہوتا ہے کہ اِن آیات میں صلوٰۃ کے چند تقاضوں کو آشکار کیا جا رہا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ ماپ تول اور لین دین میں عدل وانصاف قائم رکھنا (تاکہ معاشرے میں فساد واقع نہ ہو)۔

2۔ رزقِ حلال کمانا اور اُس میں سے حسنِ ضرورت کے لیے یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بچت کرنا۔

3۔ شِرک نہ کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ کے سِوا کسی دوسرے کی عبادت و بندگی نہ کرنا؛ دوسرے لفظوں میں، اللہ تعالیٰ کو حاکمِ اعلیٰ تسلیم بالیقین کرنا اور صرف اُسی کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات پر عمل کرنا اور اُن کے منافی کسی اور کے حکم کو تسلیم کرنا نہ اُس پر عمل کرنا۔

4۔ اپنے مال و منال (Wealth and Property) کو اپنی مرضی سے خرچ کرنا نہ جمع کرنا بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق ہی اس میں تصرف کرنا۔

(دوم) أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝

(الماعون 107:1-7)۔

کیا تُو نے اُس شخص (کے کردار ورویے) میں غور کیا ہے جو دین یعنی اسلامی سسٹم (کے احکامات وتعلیمات) کو جھٹلاتا ہے اور اُن کی تکذیب کرتا ہے؟ یہ وہی ہے جو یتیم یعنی بے یارو مددگار انسان (کی تکریم کرنے کے بجائے اُس) کی تذلیل وتحقیر کرتا اور اُس کو دھتکارتا ہے۔ جو مساکین یعنی زمانے کے دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کے لیے طعام یعنی سامانِ پرورش کا بندوبست کرنے کی (قوم اور حکومت کو) ترغیب نہیں دیتا؛ دوسرے لفظوں میں، قومی کفالت کا نظام قائم کرنے کے لیے پروپیگنڈہ نہیں کرتا۔ ایسے صلوٰۃ ادا کرنے والوں کے لیے وَیل ہے (یعنی دنیا میں تباہی ہے اور آخرت میں جہنّم کا ایک بدترین گڑھا ہے)، کیونکہ وہ اپنی صلوٰۃ کے حقوق وفرائض اور تقاضات سے غافل ہیں اور دکھاوے کے طور پر صلوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور الماعون یعنی لوگوں کے لیے بنیادی ضرورت کی اشیاء (Basic human necessities) جن کی غیر موجودگی میں ایک انسان انسانوں کی طرح زندگی بسر نہیں کرسکتا اور نہ قُرآنِ حکیم کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات پر

پوری طرح عمل پیرا ہو کر اِنسانیت کے اُس شرف پر فائز ہو سکتا ہے جو ربِّ کریم کا مقصودِ حقیقی ہے) کے حصول میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں یا اُن سے فائدہ اٹھانے سے روکتے ہیں۔

اس سورۃ الماعون میں صلوٰۃ کے درج ذیل تقاضوں کی نشاندہی کی گئی ہے:

5۔ دینِ اِسلام کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات کو جھٹلانا نہ اُن کی ہنسی اڑانا۔

6۔ یتیم یا بے یارومددگار کو حقیر جاننا نہ دھتکارنا، بلکہ اُن کی عزت وتکریم کرنا اور گلے لگانا۔

7۔ تمام افرادِ معاشرہ کے لیے سامانِ پرورش مہیا کرنے (یعنی قومی کفالت کا نظام قائم کرنے) کی حکومت اور معاشرے کو ترغیب دینا۔

8۔ صلوٰۃ کے تقاضوں اور اُس کے اغراض ومقاصد کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھنا۔

9۔ الماعون یعنی ربِّ رحمٰن کی چھوٹی بڑی سب نعمتوں سے اِستفادہ کرنے کا تمام افرادِ معاشرہ کا برابر کا حق ہے۔ اس حکمِ قرآنی کو تسلیم بالعمل کرنا اور اپنے حق سے محروم لوگ اور دوسرے ضرورتمند جو اِن نعمتوں سے اِستفادہ حاصل کرنا چاہتے ہوں، اُن کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی نہ کرنا۔

(سوم) إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعاً ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعاً ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعاً ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ (المعارج 70:19-34)۔

بے شک انسان تھڑ دِلا اور بے صبرا پیدا کیا گیا ہے۔ جب اُسے کوئی مصیبت آتی ہے تو (اُس کے سامنے ڈٹ جانے کے بجائے) گھبرا جاتا ہے اور جزع فزع کرنے لگ جاتا ہے (یعنی واویلا اور گریہ زاری کرنے لگ جاتا ہے) اور جب اُسے خوش

حالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگ جاتا ہے (یعنی نہ زکوٰۃ دیتا ہے نہ اَلعَفُو، نہ صدقات اور نہ کسی حاجتمند کے ساتھ اِحسان یعنی مالی تعاون ہی کرتا ہے)' مگر صلوٰۃ پنجگانہ قائم کرنے والے ایسا نہیں کرتے کیونکہ وہ اپنی صلوٰات الدوام یعنی ہمیشہ کے لیے پابندی کے ساتھ قائم رکھتے ہیں؛ وہ جانتے ہیں کہ اُن کے مال ومنال میں حصّہ ہے اُن کے لیے جو اپنے حصّے کا مطالبہ کرتے ہیں اور جو محروم تو ہیں مگر مطالبہ نہیں کرتے؛ وہ روزِ حساب وجزا کو صِدقِ دل سے برحق مانتے ہیں اور اپنے ربّ کے (قانونِ مُکافاتِ عمل کی گرِفت اور) اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، کیونکہ اُن کے ربّ کا عذاب ایسا نہیں ہے کہ اُس سے صرفِ نظر کیا جائے اور بے خوف ہوا جائے؛ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں' سوائے اپنی بیویوں یا اپنی مملوکہ (یعنی منکوحہ باندیوں) کے جن کے سامنے حفاظت نہ کرنے پر انہیں کوئی ملامت یا مضائقہ نہیں' البتہ جو اِس کے علاوہ کچھ اور کرنا چاہیں (یعنی جنسی اعضا کی سرِ عام نمائش یا کسی اور سے مباشرت' وغیرہ) تو وہی حدّ سے تجاوز کرنے والے ہیں؛ وہ امانتوں اور عہد وپیان کی حفاظت کرنے والے ہیں؛ وہ اپنی شہادتوں پر قائم رہنے والے ہیں (یعنی ایک تو ہر حال میں سچّی شہادت دیتے ہیں' دوسرے اُس پر قائم رہتے ہیں)؛ وہ اپنی صلوٰات کی (مع اُن کے حقوق وفرائض اور تقاضوں کے) حفاظت کرنے والے ہیں۔

زیرِ نظر آیاتِ کریمہ میں اُن سچّے اور پکّے مُصلّین کی نشاندہی ہو رہی ہے جو اپنی صلوٰات کو اُن کے تقاضوں، فرائض، شرائط اور حقوق کے ساتھ قائم کرتے ہیں۔ ان آیات میں جن تقاضوں کی نشاندہی کی گئی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

10۔ صلوٰۃ پنجگانہ کو پابندی کے ساتھ اور ہمیشہ کے لیے قائم کرنا۔

11۔ اپنے مال ومنال میں مسکینوں اور ضرورت مندوں کا حق یعنی حصّے کی موجودگی کو تسلیم بالعمل کرنا۔

12۔ یومِ حساب وجزا کو صدقِ دل سے برحق ماننا۔

13۔ اپنے ربّ کے عذاب سے ڈرنا (یعنی اللہ تعالےٰ کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات کی خلاف ورزی سے لرزاں براندام رہنا اور بہتری اس میں سمجھنا کہ ان احکامات کا اِتّباع کیا جائے)، کیونکہ اللہ کا عذاب ایسا نہیں ہے کہ اُس سے صرفِ نظر کیا جائے۔

14۔ اپنی شرمگاہوں (جنسی اعضا) کی حفاظت کرنا (یعنی اُن کو مناسب طریقے سے ڈھانپ کر رکھنا' نمائش نہ کرنا)۔

15۔ سوائے اپنی بیویوں کے کسی اور سے مباشرت نہ کرنا' کیونکہ یہ سرکشی اور حدود شکنی ہے اور ایسا کرنے والے مجرم ہیں۔

16۔ امانتوں میں خیانت نہ کرنا۔

17۔ اپنے عہد (Promise, Treaty, Contract, Nikah) کا پاس کرنا (دارالآخرت میں پوچھ گچھ ہوگی)۔

18۔ سچی شہادت دینا اور شہادتوں پر قائم رہنا۔

19۔ اپنی صلوٰات کی حفاظت کرنا یعنی اُن کے حقوق و فرائض اور تقاضوں سے غافل نہ ہونا۔

(چہارم) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ O فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O (الجمعة **10-9:62**)۔

مسلمانو! جب جمعہ کے دن صلوٰۃ کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر یعنی قیامِ صلوٰۃ کے لیے فوراً جاؤ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ اگر تمہیں علم ہو تو یہ تمہارے لیے خیر و برکت ہے (انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی)۔ صلوٰۃ ادا ہو جائے تو (بیکار نہ بیٹھے رہو، بلکہ) زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے رزق کی طلب و جستجو کرو اور اُس کے ساتھ اللہ (کی صفات) کو بہت زیادہ یاد کرو اور اُن کی تشہیر کرو، تاکہ تم دنیوی و اُخروی حسنہ پاؤ۔

20۔ صلوٰۃِ جمعہ کے لیے کاروبار اور خرید و فروخت موخر کر دینا اور صلوٰۃ کی ادائیگی کے بعد تگ و دو دوچند کر دینا۔

(پنجم) اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (طٰهٰ **14:20**)۔

یقیناً! میں ہی ''اللہ'' ہوں، کوئی نہیں میرے سوا تمہارا اِلٰـہ (یعنی حاکم، محبوب و مقصود اور معروضِ خواہش= **Object of desire**؛ اور دنیا و آخرت میں فوز و فلاح مقصود ہے تو) میرے ہی احکامات و تعلیمات پر عمل کرنا ہوگا اور میرے ذکر کے لیے (نظامِ) صلوٰۃ قائم کرنا ہوگا۔

ذِکر: ذکر ایک وسیع المعانی اِصطلاحِ قُرآنی ہے جسے قُرآنِ حکیم نے مندرجہ ذیل معانی میں استعمال کیا ہے:

(i) قُرآنِ حکیم (الحجر **9:15**)۔

(ii) نصیحت (الغاشیہ **21:88**)۔

(iii) صلوٰۃ (الجمعہ **9:62**)۔

(iv) مشاہدہ اور غور و فکر کرنا (النحل **13:16**)۔

(v) یاد، تذکرہ (البقرۃ **152:2**)۔

(vi) شرف و عظمت (الزخرف **44:43**)۔

(vii) اسماءِ حُسنیٰ کا وِرد (الدّھر 25:76)۔

(viii) رسولِ اکرمؐ (الطّلاق 11-10:65)۔

(ix) دُعا (التوبہ 103:9)۔

(x) وحی (القمر 32؛25:54)۔

(xi) انسان کے معاملات (الانبیاء 10:21)۔

(xii) احکامِ الٰہیہ کی یاددہانی (الاعلیٰ 9:87)۔

اور زیرِ نظر آیتِ کریمہ میں ''ذکر'' کا لفظ اِن تمام معانی میں استعمال ہوا ہے، اور تقاضا ہے کہ:

21۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے صلوٰۃ قائم کرنا۔

(ششم) وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ (الانعام 72:6)۔

صلوٰۃ کا نظام قائم کرو، ساتھ ہی ساتھ تقویٰ اختیار کرو (یعنی اللہ تعالیٰ کی طلب و جستجو کرتے اور اُس کے قانونِ مُکافاتِ عمل سے ڈرتے رہو)' کیونکہ وہ اللہ ہی ہے جس کے حضور تم سب (محاسبہ اور جزاوسزا کے لیے) جمع کیے جاؤ گے۔

22۔ تقویٰ کے ساتھ صلوٰۃ کا نظام قائم کرنا۔

(ہفتم) وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتٰبِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ۝ (الاعراف 170:7)۔

جو لوگ الکتاب یعنی قرآنِ حکیم میں غوروفکر کرتے اور اُس کے ساتھ عملی رابطہ اُستوار رکھتے ہیں' دوسرے لفظوں میں' قرآن حکیم میں مرقوم اللہ تعالیٰ کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات کے مطابق زندگی کرتے ہیں اور (اجتماعی طور پر ایسا کرنے کے لیے) صلوٰۃ کا نظام قائم کرتے ہیں تو ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) اپنی اور افرادِ معاشرہ کی اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

نوٹ: اِستنباط ہوا کہ مصلحین یعنی اللہ کے انعام یافتہ بندے وہ ہیں جو قرآنِ حکیم سے فکری و عملی رابطہ استوار رکھتے ہیں اور نظامِ صلوٰۃ قائم کرنے والے ہیں۔

23۔ صالحین یعنی اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں میں شمولیت کے لیے نظامِ صلوٰۃ قائم کرنا۔

(ہشتم) وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ O (البقرہ2:45)۔

اللہ تعالیٰ سے صبر یعنی قُوتِ برداشت، ثابت قدمی اور توکّل و امید اور (قیام) صلوٰۃ کے ساتھ مدد مانگو۔ بے شک یہ کام ہے تو بڑا اہمت طلب اور صبر آزما، لیکن اُن کے لیے نہیں جو اہلِ خضوع و خشوع ہیں۔ دوسرے لفظوں میں، جو صاحبِ دل اور دردمند ہیں (متکبر و مغرور اور ضدی نہیں ہیں)۔

(نیز دیکھیے البقرہ2:153)

24۔ اللہ تعالیٰ کی نُصرت و اِستمداد کے لیے صلوٰۃ قائم کرنا۔

(نہم) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ O (البقرہ2:110)۔

نیز (مسلمانو! اللہ کے حُکم اور سُنّتِ نبویؐ کے مطابق نظامِ) صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کرو۔ (یاد رکھو!) جو بھی خیر و حسنہ تم اپنے نفسوں کے لیے آگے بھیجو گے' اُسے (آخرت میں) اپنے اللہ کے پاس (اپنے لیے) موجود پاؤ گے۔ بے شک جو عمل تم کرتے ہو اللہ ان سب کو واضح اور مکمل طور پر جاننے والا ہے۔ دیکھنے والا ہے۔

25۔ خیر و حسنات کے حصول اور اُسے دارالآخرت میں بھیجنے کے لیے صلوٰۃ قائم کرنا۔

(دہم) الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ O اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ O (الانفال8: 3- 4)۔

جو لوگ (نظامِ) صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور جو رزق (یعنی مال و منال و دیگر مادّی و معنوی نعمتیں' مثلاً جسمانی و ذہنی صلاحیتیں' توانائیاں اور علم و ہنر) اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے' اُس کے بندوں کی فلاح و بہبود' کفالتِ کُلّی اور مادی و معنوی ترقی' نیز نظامِ اسلام کے نفاذ اور ملکی دفاع کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے مومن ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ (کے فضل و کرم) سے رفیع سے رفیع تر درجات ملتے رہیں گے اور مغفرت و رزقِ کریم بھی ملتا رہے گا۔

26۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے رزق میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا۔

(یازدہم) مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O (الروم30:31)۔

اُسی (اللہ تعالیٰ) سے رجوع کرنے والے بنو اور اُس کا تقویٰ اختیار کرو (یعنی اُس کی طلب و جستجو کرو اور اُس کے قانونِ مکافاتِ عمل سے ڈرتے رہو)؛ اِس کے لیے صلوٰۃ کا نظام قائم کرو اور صلوٰۃ کے اغراض و مقاصد اور تقاضات پر عمل پیرا رہو تاکہ کہیں مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔

27۔ شرک سے بچنے کے لیے صلوٰۃ کا نظام قائم کرنا۔

(دوازدہم) وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝ (مریم 55:19)۔

وہ (حضرت اسمٰعیل) اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کو صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کرنے کی تاکید کیا کرتے تھے۔ وہ یقیناً اپنے ربّ کے منظورِ نظر تھے۔

28۔ اپنی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کو صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کرنے کی ترغیب دینا۔

نظامِ صلوٰۃ کے خدوخال

ہم معلوم کر چکے ہیں کہ چند صدیاں پیشتر ہمارے بزرگوں میں سے کسی نے صلوٰۃ کا ترجمہ نماز کر دیا۔ نماز فارسی زبان کا لفظ ہے اور اہلِ فارس زرتشتیوں یعنی آتش پرستوں کی عبادات کو نماز کہتے ہیں۔ المیہ یہ ہوا کہ ہم نے اِسے قبول بھی کر لیا اور اس پر تکیہ بھی کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مساجد فقط سجدہ گاہیں بن کر رہ گئیں اور ہم دین کی افادیّت و مقصدیّت سے کوسوں دُور ہٹ گئے۔ ہم نے یہ حقیقت بھی فراموش کر دی کہ صلوٰۃ کے دیگر وظائف (Functions) بھی ہیں اور پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ اور آپؐ کے صحابۂ کرامؓ مسجد کو کن کن مقاصد کے لیے استعمال کرتے تھے۔ علاوہ ازیں، ہم کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ صلوٰۃ کے اغراض و مقاصد اور تقاضات کیا ہیں؟

پچھلے باب میں اس بارے میں ہم نے قرآن حکیم سے آگہی حاصل کی ہے۔ اس علم کی روشنی میں تفکّر بالحق کیا جائے (یعنی مخلص ہو کر فقط حق تعالیٰ کے ارشادات میں غور و فکر کیا جائے) تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ صلوٰۃ فقط صلوٰۃ پنجگانہ کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک نظام ہے، جس کی تصدیق خود قرآن حکیم نے کی ہے۔ (دیکھیے ٹائیٹل پر لکھی ہوئی البیّنہ 5:98)۔ گذشتہ باب میں مذکورہ تمام آیاتِ قرآنی اِس نظام یعنی سسٹم یا طریقِ زندگی کی نشاندہی کر رہی ہے، جس کو نظامِ صلوٰۃ کہتے ہیں اور اُس کے خدوخال یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک ماننا؛ قولاً اور فعلاً۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کو حاکمِ اعلیٰ تسلیم کرنا اور فقط اُسی کے احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات کو من و عن تسلیم کرنا اور اُن پر

عمل پیرا ہونا۔

۳۔ صلوٰۃ پنجگانہ کو مسجد میں قائم کرنا۔

۴۔ کاروبار اور لین دین میں دیانت و امانت، حق و انصاف اور عدل و احسان کو مدِّ نظر رکھنا۔

۵۔ بُخل، شُحِّ نفس، جمع ِمال و دولت اور ذخیرہ اندوزی سے باز رہنا۔

۶۔ اللہ تعالےٰ کے فرمانِ اَلْعَفْو پر عمل کرنا، یعنی حُسنِ ضرورت سے زائد مال و دولت جو گردش میں رہنے کے بجائے تجوریوں یا بینکوں وغیرہ میں بند ہو (Surplus wealth or Capital which is idle shy or barren) کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کر دینا یا بیتُ المال (اسلامک سسٹم پر عمل پیرا مُسلم حکومت کا قومی خزانہ) میں جمع کرا دینا۔

۷۔ جائز طریقے سے محنت و مشقت اور سعی وجُہد کر کے روزی کمانا اور رِزق حلال وطیّب کھانا۔

۸۔ منافع، پیداوار یا دولت میں سے ہر فرد اپنی محنت و مشقت کی کیفیت و کمیّت (Quality and quantity) کے مطابق حصّہ لینے کا حق دار ہے، لیکن ہر محنت کش کا کم سے کم معاوضہ اِتنا ضرور ہو، جو فرد کے گھرانے کی بُنیادی ضروریات کو پورا کر سکے۔

۹۔ ہر شخص اپنی محنت کے حاصِل کا بلا شرکتِ غیرے مالک ہے۔

۱۰۔ زمین اللہ کی ہے اور کھیتی کا مالک وہی ہے جو محنت و مشقت سے اُسے کاشت کرتا ہے۔ عُشر یا پیداوار کا دس فی صد اللہ تعالیٰ کا حصّہ ہے جو اسلامی حکومت کو ادا کرنا ہے۔ بٹائی لینا حرام ہے۔

۱۱۔ سودخوری، جاگیرداری، سرمایہ داری، کرایہ کاری، پگڑی، لاٹری، بانڈز، بچت سرٹیفیکیٹس، غرض ہر وہ منافع یا سُود جو بغیر محنت ومُشقت کیے صرف سرمایے کے بل بوتے پر ملتا ہے حرام ہے۔

۱۲۔ قومی کفالت کا نظام قائم کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ احتیاج رعایا کی بنیادی ضروریات یعنی روٹی، کپڑا، مکان، پانی، بجلی، ایندھن، علاج معالجہ، تعلیم و تربیت، جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت، وغیرہ وغیرہ کا معقول و پائیدار انتظام قائم کرنا۔

۱۳۔ ہر جوان وصحت مند فرد کے لیے روزگار کا اِنتظام کرنا۔ روزگار نہ ملنے تک اُسے باعزت طریقے سے بے کاری الاؤنس دینا۔

۱۴۔ بوڑھے مرد وزن، بیواؤں، یتیموں، معذوروں، وغیرہ وغیرہ کی کفالت کا احسن بندوبست کرنا۔

۱۵۔ پیغمبرِ اعظم ﷺ کی پیروی میں قوم کے ہر نوجوان کو فوجی تربیت دینا۔

نظامِ زکوٰۃ

صلوٰۃ اور زکوٰۃ لازم ملزوم ہیں اور دین کی بُنیادیں بھی۔ قُرآن حکیم کثرت سے اقامتِ صلوٰۃ کے ساتھ ایتائے زکوٰۃ کا ذکر کرتا ہے اور دونوں نظام بہ یک وقت قائم کرنے کی تاکید کرتا ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر نظامِ زکوٰۃ کا مختصراً ذکر کر دیا جائے۔

انفاق بالعفو کے قُرآنی حُکم پر عمل کرنے کے بعد مسلمانوں کے پاس جو حسنِ ضرورت کے لیے مال ومنال ہو، مثلاً تاجروں کے پاس مالِ تجارت اور ضرورت کے مطابق سرمایہ، صنعتکاروں کے پاس مشینری، خام اور تیار مال اور ضرورت کے مطابق سرمایہ، کسانوں کے پاس مال مویشی زرعی مشینری اور ضروری سرمایہ اور لوگوں کے پاس حسنِ ضرورت کے مطابق مال و متاع، زیورات، قیمتی پتھر، موتی، وغیرہ وغیرہ، اُس پر ڈھائی فی صد (2.5%) زکوٰۃ حکومت کو ادا کرنا فرض ہے تا کہ وہ نہ صرف کہ اپنا نظام چلا سکے بلکہ ساتھ ساتھ وہ کفالتِ اجتماعیہ کا نظام قائم کر سکے۔ پیغمبرِ اعظم و آخرﷺ کی عظمتِ بے مثال اِس بات میں مُضمر ہے کہ آپﷺ نے اِنتہائی دانشمندی اور حکمتِ بالِغہ سے قُرآنِ حکیم کے یہ جڑواں نظام بلا تاخیر نافذ فرمائے، اُن پر خود بھی عمل کیا اور عوام سے بھی عمل کروایا۔

امرِ بالمعروف

یہ قُرآنِ حکیم کی بصیرت افروز اِصطلاح ہے جو عالمگیر صداقت (Universal Truth) پر دلالت کرتی ہے۔ ''معروف'' ہر اُس شے، قول یا عمل کو کہتے ہیں جو فِطرتِ اِنسانی سے ہم آہنگ، حیات افروز، اور قابلِ تحسین ہو۔

امرِ بالمعروف کا مطلب حُسنِ خُلق اور حُسنِ عمل پر قائم رہنے اور تمام قُرآنی احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات پر عمل

کرنے، خاص طور پر صلوٰۃ وزکوٰۃ پر قائم رہنے، کی تلقین وحُکم کرتے رہنا ہے۔ یہ کام گھروں میں والدین، سکولوں میں اساتذہ اور مسجدوں میں عُلماء حضرات کرتے ہیں تو وہ پندونصیحت کے زُمرے میں آتا ہے لیکن جب اسلامی حکومت کرتی ہے تو حُکم ہوتا ہے۔ اِن تمام **جِهتوں** میں یہ کام جاری رکھنے کے لیے مُناسب اور مُستقل بندوبست کرنا اور اُس کی دیکھ بھال کرتے رہنا امر بالمعروف کے اِدارے کے فرائض میں شامل ہے۔ ربِّ رحمٰن کا اِرشاد ہے:

☆ آمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ O

(التوبہ 112:9)۔

عدل واِحسان اور اِصلاح وفلاح کے کام کرنے اور اللہ تعالیٰ کے احکام وتعلیمات پر عمل کرنے کا حُکم کرنے والے اور سیّئہ یا بُری باتوں سے منع کرنے والے، نیز اللہ کی مُقرّر کردہ حدوں کی حفاظت کرنے والے (یہی مؤمن لوگ ہیں) اور (اے نبیؐ) مؤمنوں کو دُنیا وآخرت میں کامیابیوں کی خوشخبری سُنا دو۔

نہی عنِ المنکر

عالمگیر منفی قدریں (Universal negative and ugly values) قُرآنی اِصطلاح میں "مُنکر" کہلاتی ہیں۔ مثال کے طور پر جُھوٹ، دغابازی، بُخل وبےحیائی، بددیانتی وبدخُلقی، وغیرہ وغیرہ۔ بالفاظِ دیگر، ہر وہ شے، قول یا عمل جو فطرتِ اِنسانی سے ہم آہنگ نہ ہو بلکہ قبیح اور قابلِ نفرت ہو، مُنکرات میں سے ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ O (النور 21:24)۔

اور جو لوگ شیطان کے قدم بہ قدم چلتے ہیں وہ انہیں بےحیائی وبُخل اور منفی وقبیح باتوں (یعنی مُنکرات) کی ترغیب دیتا ہے۔

نہی عَنِ المُنکر اِسلامی حکومت کا تعزیری اِدارہ ہے اگرچہ ضِمنی لحاظ سے یہ تبلیغی بھی ہے۔ مُجرموں کو گرفتار کرکے قرارِ واقعی سزا دِلوانا اِس اِدارے کا وظیفہ (Function) ہے۔ تبلیغی حیثیت میں مُلک کے تمام ذرائع ابلاغ سے پُورا پُورا کام لے کر معروف ومُنکر کے بارے میں لوگوں کے علم میں اضافہ کرتے رہنا اور اُن پر عمل کروانا حکومت کا اہم فریضہ ہے۔

فِرعونیت، ہامانیت، قارونیت اور آزریت ودیگر قبیح اعمال جن سے قُرآنِ حکیم منع فرماتا ہے، لوگوں کو اُن سے باز رہنے کی تلقین کرتے رہنا حکومت کے ساتھ ساتھ معاشرے کی بھی ذمہ داری ہے۔

تحریر وتقریر کی آزادی کا پُورا پُورا پاس واحترام کرتے ہوئے قلمکاروں وفن کاروں کو **مُخربِ** اخلاق ادب وفن کی تخلیق سے

باز رکھنے اور حسین و مُطہر ادب و فن تخلیق کرنے کی ترغیب و تحریک دینے کے لیے موزوں حِکمت عملی اختیار کرنا امر بِالمعروف و نہی عَنِ المُنکر کے اِداروں کے وظائف میں شامل ہے۔

صلوٰۃ و زکوٰۃ کے جُڑواں اِداروں کو جمود و تعطّل سے محفوظ اور فعال و حرکی رکھنے کی خاطِر امر بالمعروف و نہی عنِ المُنکر کے جڑواں اِداروں کا ہمہ وقت چوکس رہنا ناگزیر ہے۔

نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ ہمیشہ قائم رہنے والا سسٹم

قُرآنِ حکیم کی رُو سے کائنات اور اِس میں موجود ہر شے اللہ تعالےٰ کی تخلیقِ بالحق ہے (النمل ۱۶:۳)۔ قُرآنی اِصطلاح میں لفظ ''حق'' اپنے اندر معانی کا ایک جہاں رکھتا ہے۔ اس لفظ میں

قیامِ ذاتی (بلاشرکتِ غیرے)

ثبات دوام (قائم بِالذّات)

حسن (سرور انگیز خوشنمائی)

مقصدیت (غایتِ کُلّی کی حامل)

افادیت (ہمہ گیر فیض رسانی)

صداقت (راست بازی)

حکمت (زمان و مکان اور احوال و ظروف سے کُلّی طور پر ہم آہنگ)

حرکی (اعلیٰ حرکتِ ارتقائی)

تغیّر پذیر (متنوّع، بوقلمونی اور تضاد و تخالف کی مظہر)

اور

جمیل و جلیل کے مفاہیم مُضمر ہیں۔

قُرآنِ حکیم نے کائنات کو حق نہیں بلکہ تخلیقِ بالحق کہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تخلیق بذاتِ خود تو حق نہیں لیکن

حق کے ساتھ تعلق ضرور رکھتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کائنات میں جاری وساری نہیں ہے، بلکہ اُس نے تمام صفاتِ بالا سے مُزیّن کر کے اس کو بنایا ہے۔ قُرآنِ حکیم نے اسلامک سسٹم کو بھی دینِ حق کہا ہے (الفتح ۴۸:۲۸)۔ چنانچہ یہ سسٹم بھی مذکورہ بالا تمام صفات کا حامل ہے۔ حق تعالیٰ کے بنائے ہوئے اس دین کے مثل کوئی دین دنیا میں ہے اور نہ ہوسکتا ہی ہے۔ علاوہ ازیں، اس دین کو چھوڑ کر کوئی اور دین، یعنی کیپٹلزم، سوشلزم، وغیرہ وغیرہ کو اپنانا اور اُس پر عمل کرنا نہ صرف گھاٹے کا سودا ہے، بلکہ یہ شرک بھی ہے جو نا قابلِ معافی جُرمِ عظیم ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

☆ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ط وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ O (آلِ عمران 85:3)۔

یاد رکھو! جس شخص کو دینِ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرنے کی طلب و جستجو ہو گی، اُس سے کچھ قبول نہ کیا جائے گا (اس لیے کہ اُس کا ہر کام گھاٹے کا سودا ہوگا) اور آخرت میں وہ دیوالیہ (Bankrupt) ہوگا۔

دینِ اسلام حق ہونے اور مذکورہ بالا صفات کا حامل ہونے کی وجہ سے قیامت تک کے لیے ہر زمانے میں، حالات خواہ کچھ بھی ہوں، زندگی کے مسلسل و پیہم اور نَو بہ نَو تقاضے پورے کرنے کے علاوہ مادی و معنوی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔ اس کو اپنانے کا منطقی نتیجہ امن و سلامتی ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ شرط صرف ایک ہے:

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ص وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ O (البقرہ 2: 208)۔

مسلمانو! امن و سلامتی کے دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، یاد رکھو! شیطان کے نقوشِ قدم پر نہ چلنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اس آیتِ کریمہ سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ دینِ اسلام ایک پیکیج ڈیل (Package deal) ہے، لہٰذا اس کے تمام احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات کو تسلیم بالیقین کرنا، ان پر عمل پیرا ہونا اور قائم رہنا مطلوبہ نتائج کے حصول کے لیے ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ربِّ کائنات نے مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہونے کے فوراً بعد صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نظام قائم کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

☆ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ O (الحج 22:41)۔

(سچے مسلمان وہ ہیں کہ) جونہی ہم اُن کو کسی سرزمین میں اقتدار دیتے ہیں تو وہ (رسولِ اکرم ﷺ اور اُن کے صحابہؓ کرامؓ کی طرح بلا تاخیر) صلوٰۃ، زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نظام قائم کرتے ہیں۔ یاد رکھو! کل امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے (یعنی اس کا انجام یقیناً بہترین ہوگا)۔

اور یہ بھی فرمادیا کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔

(دیکھیے ٹائٹل پر لکھی ہوئی آیت البینہ 98:5)۔

صلوٰۃ، زکوٰۃ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے یہ چاروں ادارے اپنی اپنی منفرد اور مستقل حیثیت رکھنے کے باوجود آپس میں لاینفک رابطہ رکھتے بطور ایک اکائی کے کام کرتے ہیں اور نظامِ اسلام کے اٹوٹ انگ ہیں۔ یہ ادارے اسلامی معاشرے کی چار بنیادیں ہیں، جن پر اُس کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کا مطلب اِن چاروں اداروں کو قائم کرنا اور اُن کی بنیادوں پر اسلامی معاشرے کی تشکیل وتعمیر کرنا، اُس میں احکامِ الٰہیہ نافذ کرنا، اُن کے مُطابق انفرادی واجتماعی زندگی کرنا اور دیگر افرادِ معاشرہ کو ایسی زندگی گزارنے کا حکم دینا ہے۔ یہ حقیقت ہمہ وقت پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ دینِ اسلام کا بنانے والا خود ربُّ العٰلمین ہے، یعنی وہ کُل مخلوقات کا آقا و مالک اور رازق و پروردگار ہے لہٰذا یہ نظام کُل نسلِ انسانی کی ربوبیت کا حامل ہے۔

ارشادِ باری تعالےٰ ہے:

☆ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا O

(ھود 11: 6)۔

(یاد رکھو!) اِس زمین میں کوئی حرکت کرنے والا جاندار (Moving creature) ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالےٰ پر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے کُرّہءِ ارض میں اپنی تمام مخلوقات کی پرورش اور نشو ونُما کے لیے بے حدوحساب رزق مہیا کیا ہوا ہے:

☆ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ O (النور 24: 38)۔

بیشک اللہ تعالےٰ بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔

زندہ رہنے اور نشو ونُما پانے کے لیے اللہ تعالےٰ کی طرف سے داخلی ہدایت ہر شے کو پیدائشی طور پر (Inborn)

مہیا کردی جاتی ہے۔ ہر شے ودیعت کردہ ہدایت کے مطابق زندگی کرنے پر مجبور ہے، لیکن انسان، جو احسن الخالقین کی جمالیاتی۔تخلیقی فعلیت کا شاہکار ہے، فکروعمل اور ارادہ واختیار کی آزادی سے پیراستہ کرکے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے کہ وہ جیسے چاہے زندگی کرے۔اس آزادی کے بدلے میں وہ رہینِ مُکافاتِ عمل ہے (یعنی جیسا کروگے ویسا بھروگے)۔اپنی صوابدید کے مطابق بہترین زندگی کرنے کے لیے اُسے داخلی وخارجی دونوں طرح کی ہدایات سے نوازا گیا۔داخلی (یعنی موضوعی= Subjective) طور پر اُسے حسی۔قلبی۔نفسی نظام عطا ہوا اور خارجی (یعنی معروضی=Objective) طور پر وحی و تنزیل کا سلسلہ شروع ہوا جس کی تکمیل پیغمبرِ اعظم وآخر ﷺ اور قُرآنِ حکیم پر ہوئی۔ مشیّتِ ایزدی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ شاہکار اُس کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات پر عمل کرکے اللہ تعالےٰ کا قُرب ورضوان حاصل کرے اور صراطِ مستقیم پر چلتا ہوا جنّتِ قُرۃ العین میں پہنچ جائے اور موت سے مبّرا اپنی اصل زندگی وہاں کرے۔حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اِس شعر میں اسی حقیقت کو بےنقاب کیا ہے:

تقدیر کے پابند جمادات ونباتات

مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند (ضربِ کلیم)

یہ حقیقتِ نفس الامری ہے کہ کوئی انسان بنیادی ضروریاتِ زندگی (basic human necessities) کی غیر موجودگی میں قُرآنِ حکیم کی ہدایات وتعلیمات پر **کما حقّہٗ** عمل کرکے انسانیت کے اُس شرف پر فائزنہیں ہوسکتا جو ربّ رحمٰن کا مقصودِ حقیقی ہے۔ اِسی حقیقت کے پیشِ نظر ربِّ کائنات نے انسان کو ایسا دین (یعنی زندگی کرنے کا اِسلامی طریقہ) عطا کیا ہے۔ جس پر عمل کرنے سے معاشرے کے ہر فرد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی، مثلاً روٹی، کپڑا، مکان، پانی، بجلی، گیس، علاج معالجہ، تعلیم وتربیت، سفری سہولیات، امن وسلامتی، وغیرہ وغیرہ، بہ احسن پوری ہوتی ہیں۔چونکہ انسان کو ارادہ وعمل کی مکمل آزادی ہے، لہٰذا اُسے اختیار ہے کہ اس سسٹم پر عمل کرے یا نہ کرے۔

☆ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا O (الدھر 76: 3)۔

ہم نے (انسان کو) سیدھا راستہ بتا دیا ہے؛ اب چاہے تو اس پر چل کرکے (میری نعمتوں سے استفادہ حاصل کرے اور) میرا شکرگزار بندہ بن جائے اور چاہے تو اس پر چلنے سے انکار کردے۔

وہ صلوٰات جو شرفِ قبولیت حاصِل نہیں کرتیں:

ہم معلوم کر چکے ہیں کہ صلوٰۃ پنجگانہ کو ھیئتِ مخصوصہ کے ساتھ ادا کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اُس کے حقوق وفرائض اور تقاضوں کو پورا کرنا صلوٰۃ کا جزوِ لاینفک یعنی اٹوٹ انگ ہے اور لازمی امر ہے۔ جو لوگ اپنی صلوٰات کو فقط قیام اور رکوع وسجود وغیرہ تک محدود رکھتے ہیں اور اُس کے حقوق وفرائض اور تقاضوں سے غافِل رہتے ہیں، قُرآن حکیم کی رُو سے اُن کی صلوٰات شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرتیں، اس کے باوجود کہ وہ مسجدوں میں باجماعت ادا کی گئی ہوں۔ قُرآنِ حکیم نے اپنی سُنّت کے مطابق بہت سی آیات میں اِس حقیقت کو آشکار کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

(1) لَّيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ج وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ ط أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ O

(البقرہ 2 : 177)۔

حُسنِ عمل، کارِخیر یا حسنہ (فقط) یہ نہیں کہ تُم (نماز کے وقت قبلہ سمجھ کر) اپنا رُخ مشرق کی طرف پھیر لو یا مغرب کی طرف

(یعنی جتنی چاہے نمازیں پڑھ لو) یاد رکھو! حسنِ عمل کی روِش اُن کی ہے جو اللہ پر، آخرت یعنی نشأۃِ ثانیہ اور حساب وجزا کے دن پر، ملائکہ اور کتبِ سماوی پر اور اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ علاوہ ازیں، اللہ کی راہِ محبت میں اپنا مال اپنے عزیز و اقارب اور یتیموں، اہلِ احتیاج وضرورت اور اپنا حق مانگنے والوں کو دیتے ہیں؛ نیز اسیرانِ جنگ غلاموں اور قرضے میں جکڑے ہوئے بے بس انسانوں کو آزاد کرانے پر صرف کرتے ہیں۔ وہ صلوٰۃ کو اُس کے حقوق وفرائض اور تقاضوں کے ساتھ قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ (قرآن وسنتِ حسنہ کے مطابق) ادا کرتے ہیں اور جب عہد و پیمان کر لیتے ہیں تو اُسے ضرور پورا کرتے ہیں؛ نیز تنگدستی اور جسمانی تکلیف میں اور جہاد کے دوران ثابت قدم اور متوکل رہتے ہیں۔ حقیقت میں یہی لوگ (حُسنِ عمل کی راہ میں) سچے ہیں اور مُتّقی ہیں (یعنی اس قابل ہیں کہ اُنہیں ہدایت سے نوازا جائے)۔

(2) فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآؤُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

(الماعون 107:4-7)۔

ایسے صلوٰۃ پنجگانہ ادا کرنے والوں کے لیے (دنیا میں) تباہی ہے اور (آخرت میں) جہنّم کا ایک بدترین گڑھا ہے، (کیونکہ) یہ اپنی صلوٰۃ (کے حقوق وفرائض اور تقاضوں) سے غافل ہیں۔ یہ (صلوٰۃ ادا نہیں کرتے، بلکہ) ریاکاری کرتے ہیں۔ (اس لیے کہ) عوام کے لیے بنیادی ضروریات کی اشیاء (human necessities Basic) کے حصول میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔

(3) فِيْ جَنّٰتٍ قف يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝ (المدثر 74:40-45)۔

جو لوگ بہشتوں میں ہوں گے پوچھیں گے دوزخ والوں سے کہ تُم دوزخ میں کیسے پہنچ گئے (حالانکہ تم صلوٰۃ ادا کرنے والوں میں سے تھے)؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم سچے مصلّین میں سے نہیں تھے (کیونکہ ہم صلوٰۃ کے حقوق وفرائض اور تقاضے پورے نہیں کرتے تھے، خاص طور پر) اہلِ احتیاج کی معاشی کفالت سے لاپرواہ تھے اور بیہودہ باتیں بنانے والوں کے ساتھ ہم بھی بیہودہ باتیں ہی بناتے تھے۔

(4) خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ إِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (الحآقہ 69:30-34)۔

حُکم ہوگا اِسے پکڑ و اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو۔ پھر اِسے جہنم میں ڈال دو۔ پھر اِسے ستر (۷۰) ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ (اس لیے کہ) یہ نہ تو عظمت والے اللہ پر (صدقِ دل اور عمل سے) ایمان لایا تھا اور نہ حاجتمندوں کی کفالت کے لیے حکومت اور قوم کو ترغیب دیتا تھا۔

(5) فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ وَلٰكِن كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ ثُمَّ ذَهَبَ إِلٰٓى أَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۝ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ۝ ثُمَّ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ۝ أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى ۝ (القیٰمۃ 75:31-36)۔

(کیسا بدنصیب ہے وہ صلوٰۃ ادا کرنے والا کہ) اُس نے نہ (قرآنِ حکیم کی باتوں کو سچ مانا اور اُن کی) تصدیق کی اور نہ ہی صلوٰۃ ادا کی، بلکہ اُس نے (حق کی باتوں کو) جھٹلایا اور منہ پھیر کر (یعنی سلام پھیر کر) متکبرانہ انداز میں اکڑتا ہوا اپنے ساتھیوں اور اپنے گھر والوں کی طرف چلدیا (جیسے بڑا تیر مار لیا ہو)۔ افسوس ہے تجھ پر، مکرّر افسوس ہے تجھ پر، پھر افسوس ہے تجھ پر۔ کیا سمجھ رکھا ہے انسان نے کہ اُسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔

نوٹ: **وَلَا صَلّٰى** سے مُراد یہ ہے کہ اُس نے محض رسمی صلوٰۃ بھی ادا نہیں کی چہ جائیکہ اُس کے حقوق وفرائض کے ساتھ ادا کرتا (المفرداتُ القرآن)۔

(6) وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ (الانفال 8:35)۔

اور اُن کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی۔ سو اب چکھو مزہ عذاب کا بدلے میں اللہ تعالےٰ کے نظامِ حیات کے انکار میں۔

نوٹ: اس آیتِ کریمہ میں صلوٰۃ کو **مُكَآءً وَ تَصْدِيَةً** کہہ کر بتایا گیا ہے کہ اُن کی صلوٰۃ بے روح تھی اور اُن کا عمل بے وُقعت، بلکہ اُن کی صلوٰۃ پرندوں کی چہچہاہٹ اور گنبد کی آواز سے زیادہ کچھ نہ تھی (المفرداتُ القرآن)۔

تعدادِ صلوٰات ایک دن میں

کچھ لوگ اس غلط فہمی میں مُبتلا ہیں کہ قرآنِ حکیم کی رُو سے صَلوٰات ایک دن میں پانچ نہیں بلکہ تین ہیں۔ قُرآنِ حکیم زندہ کتابِ ہدایت ہے، آیئے اسی سے معلوم کرتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟

احکم الحاکمین کا اِرشاد ہے:

☆ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰاتِ و الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ۝ (البقرہ 238:2)۔

مسلمانو! تمام صَلوٰات کی حفاظت کرو (یقینی بنالو اور اُن کے تقاضوں کو پورا کرتے رہو) خصوصاً درمیان والی صلوٰۃ اور صبر و اِستقامت سے اللہ تعالےٰ کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات پر عمل کرو۔

یہ قُرآنِ حکیم کا اعجازِ بلاغت ہے کہ چند الفاظ میں بڑی بڑی حقیقتیں آشکار کر دیتا ہے اور مفہوم بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے، شرط یہ ہے کہ تفکّر بِالحق کیا جائے، دوسرے لفظوں میں، ذہن کو پہلے سے موجود تعصّبات سے خالی کر کے اور مخلص بن کر فقط قُرآنِ حکیم کے اِرشادات پر غور و فکر کیا جائے اور فقط انہیں کو تسلیم بالیقین کیا جائے۔

صلوٰات: یہ صلوٰۃ کی جمع ہے۔

دنیا کی تمام قابلِ ذکر زبانوں میں ایک کے لیے واحد (Singular) اور دو یا دو سے زائد کے لیے جمع (Plural) کا صیغہ اِستعمال ہوتا ہے، لیکن عربی زبان میں ایک کے لیے واحد، دو کے لیے تثنیہ اور تین یا تین سے زائد کے

لیے جمع آتی ہے۔ واحد کو تثنیہ بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ لفظ کے آخر میں ''ان'' یا ''ین'' کا اضافہ کر دیا جاتا ہے، مثال کے طور پر ایک دن کے لیے یوم، دو دن کے لیے ''یومین'' اور تین یا اس سے زیادہ کے لیے ''ایام''۔ تصدیق کے لیے دیکھیے درجِ ذیل آیتِ کریم:

☆ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ ۚ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ O

(البقرہ203:2)۔

اور (قیامِ منٰی کے) معدودے چند دنوں (گیارہ، بارہ اور تیرہ، ذی الحج) میں اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو۔ پھر جو کوئی منٰی میں دو دن ٹھیرنے کے بعد (مناسِک ادا کرکے) وہاں سے رخصت ہونے میں جلدی کرے تو اُسے کوئی گناہ نہیں۔

صلوٰات جمع کا صیغہ ہے لہٰذا مذکورہ بالا آیت میں اس کا مطلب درمیان والی صلوٰۃ کے علاوہ تین یا تین سے زیادہ صلوٰات ہیں۔ اگر تین سمجھی جائیں تو اُن کا آدھا ممکن نہیں ہے، لہٰذا یہاں صلوٰات سے مُراد چار ہیں اور درمیان والی صلوٰۃ پانچویں ہے۔

درمیان والی صلوٰۃ

پچھلے باب میں ہم نے معلوم کیا کہ صلوٰۃِ پنجگانہ، خاص طور پر درمیان والی صلوٰۃ کی حفاظت ہم سب پر فرض ہے۔ درمیان والی صلوٰۃ کے تعین میں کچھ تحفظّات ہیں۔ آیئے معلوم کرتے ہیں کہ صحیح صورتِ حال کیا ہے۔

سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں کا نیا دن شروع ہو جاتا ہے۔ قُرآنِ حکیم کا اعجازِ بلاغت ہے کہ اُس نے اس صورتِ حال کو کِس خوبصورتی سے اجاگر کیا ہے؛ ارشاد ہوتا ہے:

☆ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ O

(النحل6:16)۔

اور تمہارے لیے اس میں جمال (Aesthetic pleasure) ہے، جب تم انہیں (یعنی چوپائیوں کو، چرانے کے لیے) شام کو لے کر آتے ہو اور صبح کو لے کر جاتے ہو۔

دنیا کے تمام قابلِ ذکر ممالک نے نیا دن رات کے بارہ بجے سے شروع کرنے کا رواج اپنا لیا ہے، لیکن عرب ممالک میں آج تک وہی اسلامی طریقہ رائج ہے اور نیا دن سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی شروع ہوتا ہے، حتٰی کہ حرمین شریفین میں دیواروں پر دونوں اقسام کی گھڑیاں نظر آتی ہیں۔

ان حقائق کو مدّ نظر رکھتے ہوئے تفکّر بالحق کیا جائے تو عقلِ سلیم اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ پہلی صلوٰۃ مغرب کی ہوئی اور درمیان والی فجر کی۔ یہ اس لیے بھی درست ہے کہ قُرآنِ حکیم فجر کے وقت مشہود ہوتا ہے (الاسراء 78:17)۔

ذِکر اور صلوٰۃ

ذِکر ایک وسیع المعانی اِصطلاحِ قُرآنی ہے۔ جسے قُرآنِ حکیم نے متعدد معانی میں استعمال کیا ہے (دیکھیے اسی کتاب کا صفحہ نمبر 20)۔

☆ اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُ الْقُلُوْبُ O (الرعد 28:13)۔

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے قلوب (یعنی دل و دماغ) اطمینان حاصل کرتے ہیں۔

ذکر کے بارے میں گُفتگُو کو آگے بڑھانے سے پہلے بہتر ہوگا کہ اطمینان اور خوف وحُزن کی حقیقت اور انسان کے لیے اُس کی اہمیت سے شناسائی حاصل کر لی جائے۔ اطمینان اور خوف وحزن ایک دوسرے کی ضِدّ ہیں اور یہ حقیقت نفس الامری ہے کہ اِجتماعِ ضِدّین محال ہے۔ مثال کے طور پر روشنی اور اندھیرا ایک دوسرے کی ضِدّ ہیں، لہٰذا یہ دونوں ایک جگہ پر اِکھٹےّ نہیں رہ سکتے۔ جہاں روشنی ہوگی اندھیرا نہ ہوگا اور جہاں اندھیرا ہوگا روشنی نہ ہوگی۔ اسی طرح جس قلب میں خوف و حزن ہوگا وہاں اِطمینان کے لیے کوئی جگہ نہیں اور جہاں اِطمینان ہوگا وہاں خوف وحزن کا گزر نہیں۔

خوف وحزن نفسیاتی امراض سے عبارت ہے، جن میں چند ایک یہ ہیں: انتشارِ ذہنی، احساسِ تنہائی، احساسِ محرومی، پریشانی، خوفِ زیاں، خوفِ مرگ، وغیرہ وغیرہ۔ یہ بیماریاں اِس یقینِ مُحکم کے فقدان کے سبب لاحق ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا ولی یعنی دوست ہے، ہمارا ربّ یعنی پالنہار ہے، ہماری حفاظت وخبر گیری کرنے والا (Caretaker) ہے۔ وہ ہمہ وقت ہمارے ساتھ ہے، ہماری پکار کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے، علاوہ ازیں، کوئی اور ہستی کسی کی ذات وشخصیت کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ O (حم السجدہ 30:41)۔

جن لوگوں نے کہا: فقط اللہ ہمارا ربّ ہے اور پھر اپنے اس قول وقرار پر ثابت قدم رہے، اُن پر یقیناً فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں: ''ہر گز خوف نہ کھاؤ اور نہ غم ہی کرو، بلکہ خوش ہو جاؤ جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے''۔

حاصل کلام یہ کہ ایمان اور یقینِ محکم رکھنے والے مُوَحِّد خوف وحزن کے کرب سے محفوظ و مطمئن رہتے ہیں اور ہم معلوم کر چکے ہیں کہ جہاں خوف وحُزن نہ ہو وہاں اطمینان ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ اِطمینانِ قلب کا حصول جنت میں داخلے کی پیش شرط ہے۔ اِرشاد ہوتا ہے:

☆ يٰٓأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ O ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً O فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ O وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ O (الفجر 89:27-30)۔

(اہلِ جنت کی عزّت افزائی کے لیے ربِّ عاشق خود اُن میں سے ہر ایک سے فرداً فرداً اس حسین انداز سے خطاب کرے گا:) اے خوف وحُزن سے پاک مُطمئن شخص! لوٹ آ اپنے ربّ کی طرف، اس حال میں کہ تُو اُس سے خوش ہے اور وہ تجھ سے خوش۔ میرے بندوں (نبیّین، صِدّیقین، شُہداء اور صالحین) میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قلب کو خوف وحزن سے پاک کر کے اطمینان حاصل کیا جائے تو کیونکر؟

قُرآنِ حکیم، جو ایک مکمل کتابِ ہدایت ہے، ہدایت کے متلاشیوں کو اس مسئلے کا حل بھی بتاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

☆ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ط أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ O (الرعد 28:13)۔

جو لوگ ایمان لاتے ہیں اُن کے قلوب (یعنی دل و دماغ) کو ذِکرِ الٰہی سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ یاد رکھو! صرف ذِکرِ الٰہی (اپنے وسیع تر مفہوم میں) سے ہی قلوب اطمینان وسکون حاصل کرتے ہیں۔

(نوٹ: ذِکر کے درجِ بالا معانی کی روشنی میں اللہ کے ذِکر کا مطلب ہے: قُرآن کا مطالعہٴ بالحق اور تدبُّر فی القُرآن، نیز اُس کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات پر عمل اور پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ کی سیرت اور اُسوۂ حسنہ کی تشہیرِ جمیل اور اُس کے مطابق زندگی کرنا)۔

ذِکرِالٰہی کے قیام اور حُسنِ عمل کے لیے لازم ہے کہ نظامِ صلوٰۃ قائم کیا جائے، یعنی صلوٰۃ کو اُس کے اغراض و مقاصد اور تقاضات کے ساتھ قائم کیا جائے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

☆ إِنَّنِیٓ أَنَا اللّٰهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَأَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ O (طٰہٰ 14:20)۔

بلا شبہ میں ہی آپ سب کا اللہ ہوں، میرے سِوا کوئی (اور) اِلٰـہٗ (یعنی معبود و محبوب اور مطلوب و مقصود اور حاکم) نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو (یعنی میرا ہی کہا مانو۔ دوسرے لفظوں میں، میرے ہی احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات پر عمل کرو) اور میرے ذِکر کے لیے صلوٰۃ قائم کرو۔

اس گُفتگو سے اِستنباط ہوا کہ ذِکر، صلوٰۃ، اِطمینانِ قلب اور جنتِ قُرَّۃُ العین ایک ہی حقیقت کی چار تعبیریں ہیں۔

عبادت، صبر اور صلوٰۃ

عبد کے معنی ہیں: بندہ یا غلام

ایک آقا کو وہ غلام زیادہ پسند ہوتا ہے جو اُس کے احکام پر خوش دِلی سے عمل کرتا رہتا ہے اور حکم عدولی نہیں کرتا۔ احکامِ الٰہیہ سے مُراد قُرآنِ حکیم کے احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات ہیں جن پر حتی المقدور اور بہ رضا و رغبت عمل کرنے کی کوشش کرتے رہنے کا نام عبادت یا بندگی ہے۔ یہ عبادت یا بندگی اللہ تعالےٰ سے اِستعانت یعنی نصرت و مدد کی دُعا مانگنے کی پیش شرط بھی ہے۔ ہر روز بیسیوں مرتبہ پڑھی جانے والی سورۂ فاتحہ کی یہ آیت اسی حقیقت کی غمّاز ہے:

☆ إِیَّاکَ نَعۡبُدُ وإِیَّاکَ نَسۡتَعِینَ O (الفاتحہ 5:1)۔

ہم تیری ہی عبادت یا بندگی کرتے ہیں (یعنی تیرے ہی احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات پر عمل کرتے ہیں) اور تُجھ ہی سے (اِن پر عمل کرنے کے لیے اور اپنی دیگر حاجات کے لیے) نصرت و مدد کے طلبگار ہیں۔

اس پس منظر میں آیئے درجِ ذیل آیتِ کریمہ میں بھی غور کریں:

☆ وَاسۡتَعِینُواۡ بِالصَّبۡرِ وَالصَّلاۃِ وَإِنَّهَا لَکَبِیرَۃٌ إِلَّا عَلَی الۡخَاشِعِینَ O (البقرہ 40:2)۔

(اے میرے بندو جو میرے احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات پر عمل کرنے والے ہو!) صبر، یعنی قُوّتِ برداشت و ثابت قدمی اور توکّل و امید، اور (قیامِ) صلوٰۃ کے ساتھ مجھ سے مدد مانگو۔ یہ کام ہے تو بڑا ہمت طلب اور صبر آزما، لیکن اُن کے لیے

نہیں جو اہلِ خشوع وخضوع ہیں۔

صبر کے معنی ہیں: مشکلات وخطرات کے سامنے ثابت قدم وسینہ سپر رہنا، مصائب وشدائد کو عزم وہمّت اور حوصلے سے برداشت کرنا، مسائل کو حل کرنے کے لیے مسلسل سعی وجہد کرتے رہنا، راہِ راست پر اِستقامت واِستقلال سے گامزن رہنا اس طرح کہ پائے اِستقامت کو لغزش نہ آئے۔ یادرکھو! اس کی باہم تلقین وتاکید کرتے رہنا انسان کو خسارے سے محفوظ رکھتا ہے (العصر 103:1تا3)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ O (آلِ عمران 200:3)۔

اے ایمان والو! صبر یعنی مشکلات وخطرات میں اِستقامت وثابت قدمی اور حوصلہ مندی وپامردی کے ساتھ دشمنوں کے سامنے سینہ سُپر رہنے کو اپنا شِعار بناؤ اور صبر میں مدِّ مقابل حریفوں سے سبقت لے جاؤ، اور آپس میں رابطہ اُستوار رکھو؛ نیز اللہ تعالیٰ کی طلب وآرزو کرتے رہو اور اُس کے قانونِ مُکافاتِ عمل سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

مثالی صلوٰۃ

المشکوٰۃ، کتاب الایمان، حدیث نمبر 1 کے مطابق حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ ایک روز مسجدِ نبوی میں حضرت جبرائیلؑ نے بشر کی صورت صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی موجودگی میں رسول اکرم ﷺ سے اسلام اور ایمان کی اہمیت کے متعلق سوال کیے۔ آپؐ ہر سوال کا جواب دیتے تو حضرت جبرائیلؑ تصدیق فرماتے۔ آخر میں روح الامینؑ نے پوچھا: احسان کیا ہے؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ تُو اس طرح عبادت کرے جیسے تُو اللہ کو دیکھ رہا ہے، [یہ مقامِ شاھدیّت ہے]، اور اگر یہ مقام نصیب نہ ہو تو تجھے اس حقیقت کا یقین ہو کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے، [یہ مقامِ مشہودیّت ہے]۔

پیغمبرِ اعظم وآخر ﷺ کا اِرشادِ گرامی ہے **فِی صلاتی قُرَّۃُ العین** یعنی میری صلوٰۃ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

احسان یعنی مقامِ شاہدیت ومشہودیت اور قُرّۃ العین یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک کے صحیح اِدراک کے لیے مندرجہ ذیل آیات کی طرف رجوع کرنا ناگُزیر ہے:

☆ فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِىَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ‌ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ O (السجدہ 17:32)۔

دکھو! کوئی متنفِّس (چاہے انسان ہو یا جنّ یا فرشتہ وروح) اِس کا علم نہیں رکھتا کہ اُن کے اعمالِ صالحہ کے اجر میں کون سی چیز، جواُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی جنّت) ہے، اُن کے لیے چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔

☆ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَھُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ O (الرعد 13:29)۔

جولوگ ایمان لاتے اور عدل واحسان کے کام کرتے اور اِنسانی حقوق ادا کرتے ہیں، اُن کو طُوبیٰ یعنی جمالیاتی لذّت وحظ (Aesthetic pleasure and happiness) اور مَسرّت وشادمانی کا سامانِ لامُتناہی بھی ملے گا اور حُسن وسُرور سے معمور گھر بھی (گھر جوحُسنِ مجسم ہوگا یعنی جنّت)۔

یہ قُرآنِ حکیم کا اعجازِ بلاغت ہے کہ اُس نے جمالیات (Aesthetics) کے ایک بہت وسیع اور اہم مضمون کو چند لفظوں کی تنگناء میں سمودیا ہے کہ جب ایک انسان حُسن (Beauty) کا مشاہدہ کرتا ہے تو اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتی ہیں اور اُس کا قلب یعنی دل ودماغ جمالیاتی مَسرّت سے لبریز ہوجاتا ہے۔ ایک مثال سے اس صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایک ماں سے اُس کا بیٹا کسی وجہ سے بچھڑ جاتا ہے اور وہ زندگی کے سب سے بڑے اور دردناک دُکھ میں مُبتلا ہوجاتی ہے۔ چند برس بعد وہ بیٹا اچانک گھر پہنچ کر اپنی ماں سے لپٹ جاتا ہے۔ طغیانیِ جذبات سے ماں روتی بھی ہے اور خوشی کی اِنتہائی بلندیوں پر بھی ہے۔ اس عالم میں وہ بیٹے کو سینے سے لپٹاتی ہے اور پکار اُٹھتی ہے کہ تُو نے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا ہے۔ اس ٹھنڈک کو قُرآنِ عظیم قُرَّۃُ العین یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک سے منسوب کرتا ہے اور جمالیات کی زبان میں یہ جمالیاتی مَسَرَّت (Aesthetic pleasure) کہلاتی ہے۔

حسن نظر افروزی وسرور انگیزی کی مُنزّہ نامُصوّر شے ہے، جس کی بڑی بڑی شیون یہ ہیں: جمال وجلال، رنگ ونُور، حیات و قیّومیت، خوشبو اور نظافت وطہارت، وغیرہ وغیرہ۔ ہم معلوم کر چکے ہیں کہ حسن قُرَّۃُ العین ہے اور اہلِ نظر کو اس کے مشاہدے سے جمالیاتی حظ وسرور ملتا ہے۔ مزید تصدیق کے لیے دیکھیے مندرجہ ذیل آیات:

☆ فَاقِعٌ لَّوْنُھَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ O (البقرہ 2: 69)۔

اُس کا رنگ دیکھنے والوں (یعنی اہلِ نظر) کو مَسَرَّت بخشتا ہے۔

☆ وَلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُھُنَّ O (الاحزاب 33:52)۔

اگرچہ اُن عورتوں کا حُسن تجھے تعجب خیز خوشی بخشے۔

اللہ تعالیٰ ''الحسن'' ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

☆ قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی O

(الاسراء 110:17)۔

(میرے حبیبؐ) اُن سے کہہ دیجیے کہ "اُسے" اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے چاہو پکار سکتے ہو، کیونکہ تمام کے تمام حسین نام اُسی کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسمِ با مُسمّٰی ہے یعنی وہ تمام حسین ناموں کی صفات کا مالک بِالذّات ہے۔ تمام حسین صفات کے مجموعے کا مالک ہی "الحسن" کہلانے کا سزاوار ہوسکتا ہے۔

جب ایک انسان قیامِ صلوٰۃ میں مقامِ شاھدیّت حاصل کرتا ہے تو "الحسن" اُس کا اِلٰہِ حقیقی (یعنی معروضِ محبت و خواہشات Object of love and desires) اُسے اپنے انوار و تجلّیات سے نوازتا ہے۔ حُسن کے اِس مشاہدے سے اہلِ آرزو کو ایسی سرور انگیز و کیف پرور اور مسحور کن ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے جو اُس کی آنکھوں کو روشن و دِلشاد اور اُس کے قلب کو طمانیت و مَسَرَّت کا بہشت بنا دیتی ہے، جس کو رسولِ اکرمؐ نے قُرَّۃُ العین کہا ہے۔

اِس گُفتگو سے اِستنباط ہوا کہ قیامِ صلوٰۃ سے احسان کے مقامِ شاہدیت و مشہودیت حاصل ہوسکتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ اِن دو مقامات سے ایک مقام پر فائز ہونا صلوٰۃ کا بنیادی تقاضا ہے۔

مقامِ احسان کے حصول کے لیے اِنسانیت نے بہت جتن کیے ہیں۔ کسی نے رہبانیت اختیار کی تو کسی نے بن باس لیا؛ کسی نے فاقے کیے تو کسی نے چلّے کاٹے، مگر سب کے سب چراغِ غُول ثابت ہوئے۔ اس مقام تک رسائی کا فقط ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے علم کا حصول اور صراطِ مستقیم پر سفرِ حیات۔

قُرآنِ حکیم کی رُو سے علم حقیقت میں نُور ہے۔ نور کا مطلب ہے قلب کی روشنی یعنی نُورِ بصیرت جو حصولِ علم کا حاصل ہے، اور قُرآنِ عظیم نُورِ مبین ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نور اور قلبِ انسانی کے نُور کے رشتے کی نوعیت بعینہٖ آفتاب اور چشمِ بینا کی ہے۔ جس طرح ایک پیدائشی اندھا انسان نُورِ بصارت کی غیر موجودگی میں آفتاب کی روشنی نہ تو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اُس کا تصوّر کر سکتا ہے، اِسی طرح قلب کے نُور یعنی نُورِ بصیرت کے بغیر ایک انسان نہ تو قُرآن مجید کے نُور کو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اِستفادہ حاصل کر سکتا ہے۔ قُرآنِ مجید ہی اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان حقیقی وسیلہ ہے جس کے لیے "حبلُ اللہ" کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ علم ہی وہ قُوّت ہے جس کی وساطت سے اہلِ عشق اللہ کی رسی کا مشاہدہ اور اِدراک کر سکتے ہیں اور اسے مضبوطی سے تھام کر شاہدیت و مشہودیت کا مقام حاصل کر سکتے ہیں اور پھر بہ قول علامہ اقبالؒ:

کھولی ہیں ذوقِ دید نے آنکھیں تیری اگر

ہر راہ گزر پہ نقشِ کفِ پائے یار دیکھ (بانگِ درا)

صلوٰۃ کا اجتماعی پہلو

مخلص ہو کر صلوٰۃ وزکوٰۃ کے نظام قائم کرنا اور اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات پر عمل پیرا رہنا ربِّ رحمٰن کا حکم بھی ہے اور وہ اپنے بندوں سے یہ چاہتا بھی ہے۔

چنانچہ اِرشاد ہوتا ہے۔

☆ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ O (البقرہ43:2)۔

دیکھو! صلوٰۃ وزکوٰۃ کا نظام قائم کرو اور مکمل اطاعت کرتے ہوئے سب مِل کر کے (یعنی اِجتماعی طور پر) احکامِ الٰہیہ کی تعمیل کرو۔

(نوٹ: اس آیۂ کریمہ میں صلوٰۃ وزکوٰۃ کا نِظام حکومتی سطح پر نافذ کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے)۔

☆ وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۵ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ O

(اَلْبَيِّنة5:98)۔

اصل یہ ہے کہ انہیں قطعی حُکم دیا گیا تھا کہ مخلص بن کر اللہ کے دین (یعنی نظامِ حیات=System of life) کے مطابق زندگی کریں۔ سب فرقوں اور اعتقادات کو چھوڑ کر فقط اللہ تعالیٰ کا بن جائیں اور صلوٰۃ وزکوٰۃ کا نظام قائم کریں۔ یاد رکھو! یہی محکم وپائیدار دین یعنی نظامِ حیات ہے۔

مخلص: یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لُغوی معنی ہیں: "کسی شے کو آمیزش سے پاک کر دینا"۔ قُرآنِ حکیم کی رُو سے اس کا مطلب ہے کہ "انسان اپنے دل ودماغ کو تمام غیر قُرآنی نظریات، اعتقادات اور تعصّبات سے پاک ومُصفّا کر کے، خالی الذہن ہو کر فقط قُرآنِ حکیم پر غور وفکر کرے اور صرف اُسی کے کہنے کو حرفِ آخر اور قولِ فیصل مانے (الزمر

2:29)۔ آدمی مخلص ہو تو شیطان بھی اُسے بہکا نہیں سکتا (ص 83:38)۔

اِسلامی حکومت کو صلوٰۃ وزکوٰۃ کا نظام قائم کرنے کا حکم:

☆ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج 41:22)۔

(سچے مسلمانوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ) جونہی ہم اُن کو زمین میں اقتدار دیتے ہیں تو وہ (رسولِ اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابۂ کرامؓ کی طرح بلا تاخیر) صلوٰۃ، زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نظام قائم کرتے ہیں؛ (یادرکھو!) کل امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے (یعنی اس کا انجام یقیناً بہترین ہوگا)۔

اِس تمام گفتگو سے اِستنباط ہوا کہ معروضی حالات کتنے ہی ناگفتہ بہ کیوں نہ ہوں، وقت یا زمانہ کوئی بھی ہو، جو قوم صلوٰۃ وزکوٰۃ کے نظام قائم کرکے خضوع وخشوع سے اُس پر عمل پیرا ہوگی تو وہ مُردہ سے زندہ ہو جائے گی اور اُس قوم کا ایک بھی فرد بنیادی ضروریاتِ زندگی کے حصول کے بغیر نہ ہوگا، یعنی غربت اور محتاجی کا معنوی لحاظ سے خاتمہ ہو جائے گا۔ ربِّ رحمٰن کا ارشاد ہے:

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ○ (الانفال 24:8)۔

مسلمانو! اللہ اور اُس کے رسولؐ کی دعوت کو تسلیم کرو اور اُس پر عمل کرو تاکہ تمہیں زندہ کیا جائے۔

اور

☆ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (الذّٰریٰت 50:51)۔

اللہ کی طرف بھاگ کر آؤ۔

دعا گو! غفور ناصر 03218415644